# ''وجودیت'' اور شاہنامہ فردوسی

ڈاکٹر شازیہ رزاق
اسسٹنٹ پروفیسر اردو
لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور

# EXISISTENIALSIM AND SHAHNAMA E FIRDAUSI

Shazia Razzaq, PhD
Assistant Professor of Urdu
Lahore College Women University, Lahore

## Abstract

Shahnama e Firdousi represents Persian culture and history. The epic and myth, historical narration and the language give immortality to this fantastic piece of literature. The immortality of this creative work is evident from the modern thoughts and concepts being reflected in it. It also contains elements of modern day literary theory of Existentialism. The feeling of self existence, battle between good and evil sides of soul and reluctance against negativity of insight are expressed in Shahnama. This proves its relevancy to the present times.

**Keywords:**

شاہنامہ فردوسی، ادب نامہ ایران، سخندان فارس، فردوسی، وجودیت، ذبیح اللہ

عرفانِ ذات کا مسئلہ ہمارے لیے اجنبی نہیں کیونکہ یہی عرفان انسان کو" ایام کا مرکب نہیں راکب" بنا دیتا ہے۔ یہی مسئلہ اِس فلسفہ کی بنیاد ہے جس کا نام "وجودیت" ہے۔ اِس فلسفہ نے جدید ادبی رجحان کے طور پر شعر و ادب کو بھی بہت متاثر کیا۔ جدید تصورات کا سرچشمہ ماضی کا طرزِ احساس و فکر ہوتا ہے۔ اسی لیے علامہ اقبال نے کہا ہے:

میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے

علامہ کا یہ مصرعہ "شاہنامہ فردوسی" کا مطالعہ کرتے ہوئے بار بار یاد آتا ہے۔ شاہنامہ فردوسی فارسی شعر و ادب کا ایک منظوم شاہکار ہے۔ دنیا کی ۳۰ سے زائد زبانوں میں اس کے تراجم ہو چکے ہیں۔ ایک رزمیہ کی حیثیت سے یہ اپنی مثال آپ ہے۔ شاہنامہ میں کیومرث، جمشید، ضحاک، فریدون، کیکاؤس، رستم وسہراب، سکندر، دارا، نوشیرواں، خسرو کے علاوہ تقریباً پچاس بادشاہوں اور اپنے وقت کے نامور پہلوانوں کے دلچسپ قصے اور تاریخی واقعات بیان ہوئے ہیں۔ یہ اپنے عہد کی تاریخی و اساطیری تصاویر کا مرقع ہے۔ مرزا مقبول بیگ بدخشانی کا کہنا ہے:

"علم، شعر، تاریخ اور اخلاق کے اعتبار سے فردوسی عہدِ غزنویہ کی تمام ادبیات کا محورِ نظر آتا ہے اس لیے اسے اگر عہدِ فردوسی کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔" (۱)

شاہنامہ فردوسی کی اہمیت اور پرتاثیر اسلوبِ بیان کی بنا پر مولانا محمد حسین آزاد نے فردوسی کو داد وتحسین دیتے ہوئے اُسے "کوہ وصحرا کا فرزند" اور "قدرت کے مرغزاروں کا بلبل ہزار داستان" کہا ہے۔ (۲)

"شاہنامہ فردوسی" نے گیارہویں صدی عیسوی کی تحریر ہوتے ہوئے نہ صرف اپنی اہمیت مشرق کے ادبی ایوانوں میں تسلیم کرائی بلکہ مغربی شعر و ادب کے مشاہیر سے بھی اپنا لوہا منوایا۔ گوئٹے (Goethe) نے جو "The West-ostrlischer Poem of Hafiz" کا مترجم ہے، اس کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ Hourich Yektatalab اور Amin Karimnin اپنے مضمون میں گوئٹے (Goethe) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"In his writing he makes mention of his great surprise on how Firdausi, coming from a family of dehghani background, might have possessed the capacity to compose such a magnificent poetic constellation". (۳)

شاہنامہ لکھنے کی روایت کافی قدیم ہے۔ گلگامش، ایلیڈ، اوڈیسی، مہا بھارت، اینیڈ اور میٹامورفوسز اس کی دلیل ہیں۔ شاہنامہ فردوسی بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ Sainte Beaune ایسا نقاد ہے

جو آسانی سے ہر کسی کو داد و تحسین نہیں دیتا۔ اُس نے اپنی ۱۸۴۹ء کی ایک تحریر میں فردوسی کو موضوع سخن بنایا ہے اور اس میں شاہنامہ فردوسی کا مقابلہ ایلیڈ اور اوڈیسی جیسی طویل رزمیہ نظموں سے کرتے ہوئے شاہنامہ کو ان نظموں پر برتری دی ہے۔(۴)

شاہنامہ اگرچہ اپنے عہد کی تاریخ ہے لیکن اس میں موجود اساطیری عناصر اور فردوسی کی قوت متخیلہ نے اسے دلچسپ اور اثر انگیز بنا دیا ہے۔ ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا نے فردوسی کے شاہنامہ میں درج ذیل خصوصیات گنوائی ہیں:

- ملی روایات کو دیانت داری اور احتیاط سے شاہنامہ کا حصہ بنانا۔
- فطرت کے مناظر، میدان جنگ پہلوانوں کے کردار اور ان کے مقابلوں کو جزئیات کے ساتھ بیان کرنا۔
- تمہید اور ہر داستان کے آغاز میں حمد، نعت، حکمت و موعظمت اور عبرت کی باتیں۔
- شاہنامہ کی سادگی جو ہر ایرانی کے لیے قابل فہم ہے۔(۵)

شاہنامہ میں مندرجہ بالا خصوصیات کی موجودگی کا اعتراف اپنی جگہ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس میں فکری و موضوعاتی حوالے سے اتنا تنوع اور وسعت ہے کہ اس کلاسیکی فن پارے میں جدید دور کے طرز فکر کی جھلکیاں بھی بخوبی دیکھی جا سکتی ہیں۔ اس کی آفاقیت اسے زمان و مکاں کی پابندیوں سے آزاد کر کے ہر دور ہر خطہ اور زبان کے لوگوں کے لیے قابل قبول بنا دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طویل مدت گزرنے کے باوجود یہ آج بھی دلوں پر اثر کرتا ہے اور اپنی حیثیت منواتا ہے۔

شاہنامہ میں وجودی عناصر کی جھلک اس کی آفاقیت کی دلیل ہے۔ فردوسیؔ نے شعوری طور پر تو شاہنامہ یہ سوچ کر نہیں لکھا تھا کہ یہ آئندہ ادبی، تہذیبی اور سماجی تبدیلیوں اور تقاضوں کے برابر کھڑا ہو لیکن اس کے فکری و فنی کینوس کی وسعت نے اِسے بیسویں صدی میں رونما ہونے والے ایک ادبی رجحان کا عکاس بنا دیا۔

وجود کی اہمیت اور اس کے ہونے کا احساس زندگی کی اصل حقیقت ہے۔ اسی بنیاد پر انسان کی زندگی کا قصر تعمیر ہوتا ہے۔ وجود کا احساس، شناخت، ادراک، تعمیر ترقی اور بقا ازل سے اہمیت کی حامل ہے اور بڑے بڑے فلسفیوں نے اِن مختلف پہلوؤں کو موضوع فکر بنایا ہے۔

اس غور و فکر ہی کے نتیجہ میں جدید دور کا ایک اہم فلسفیانہ تصور ''وجودیت'' کے نام سے سامنے آیا۔ وجودیت کیا ہے؟ اس سوال کے جواب میں اگر یہ کہا جائے کہ جدید طرز فکر کے تحت اپنے وجود کے ہونے کا احساس وجودیت ہے تو غلط نہ ہوگا۔ ڈاکٹر سعادت سعید کہتے ہیں:

''وجود کا لفظ ایسی موجودگی کا مظہر ہے جس میں شخصیت اور ذات کا مکمل اثبات ہو۔''(۶)

وجودیت یا Existentialism کا نظریہ ''وجود'' کے ہونے کا ادراک لازم سمجھتا ہے، یہ ادراک انسان کو ایک فعال کردار ادا کرنے کے قابل بناتا ہے اُسے مثبت اور منفی پہلوؤں کے امتیاز سے آشنا کرتا ہے اور زندگی میں حرکت و عمل پر ابھارتا ہے۔ یہ ادراک اُسے بتاتا ہے کہ:

"I think therefare I am".(۷)

اور

"I am because I exist".(۸)

جیسے طرز فکر سے زندگی، زندگی کہلانے کے لائق ہے ورنہ منفعل انسان مُردوں کے برابر ہے۔ وجودیت کے علمبرداروں کا ماننا ہے کہ آدمی اگر اپنے لیے کوئی راہِ عمل نہیں چنتا یا بیرونی طاقتوں کے سامنے سر جھکا کر مجہول انداز میں جیے جانے پر راضی رہتا ہے تو وہ حقارت کے قابل ہے۔ جدید دور کے اس فلسفہ کے حوالے سے ڈاکٹر جمیل جالبی کہتے ہیں:

> ''اس فلسفہ (وجودیت) نے بیسویں صدی کے ذہن انسانی کو نا امیدی، بے یقینی، عدم اعتماد اور بحران سے نجات دلا کر اپنی ذات پر اعتماد کرنا سکھایا۔ اس نے خیر و شر کی ساری ذمہ داری فرد کے کندھوں پر ڈال دی اور بتایا کہ آدمی اس کے سوا کچھ نہیں ہے جو وہ خود کو بناتا ہے، ذات کے عرفان کا مسئلہ ہم مشرقیوں کے لیے کوئی ایسی نئی چیز نہیں ہے۔۔۔عرفان ذات کے اس فلسفے نے بحران زدہ انسان میں زندگی کی روح پھونک دی۔''(۹)

گیارہویں صدی عیسوی کی یہ تحریر بیسویں صدی کے اِس رجحان کے جو خصائص اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اُن سے واقفیت اس کی اہمیت کو دوچند کر دیتی ہے۔ اپنے وجود کا احساس، اور اپنے وجود کو منوانا وجودیت کی اصل ہے۔ شاہنامہ فردوسی میں موجود بادشاہ اور پہلوان اپنی حیثیت منواتے اور اپنے مقام کی اہمیت کا احساس اپنے حریفوں اور دنیا کا سامنا کرتے نظر آتے ہیں:

| | |
|---|---|
| بدو گفت پیران کہ ای شہریار | چہ بودت کہ گشتی چنیں سوگوار |
| چنیں داد پاسخ کہ چرخ بلند | دلم کرد پر درد و جانم نژند |
| کہ ہر چند گرد آورم خواستہ | ہمان کاخ و ہم گنج آراستہ |
| بفرجام یکسر بدشمن رسد | سپہرم ھمی زیر پی بسپرد (۱۰) |

وجودیت کے نظریے کے حامل انسان کے لیے اپنی صلاحیتوں کا ادراک لازمی قرار دیتے ہیں کیونکہ یہی ادراک انسان کے ہونے کی دلیل ہے ورنہ وہ اس وسیع کائنات میں قائم نہ رہ سکے گا۔ شاہنامہ کے کردار بھی اپنی قابلیت کا احساس رکھتے ہیں اور اس کا اظہار بھی کرتے نظر آتے ہیں:

من و این سواران و شمشیر تیز     برانگیزم اندر جهان رستخیز
ببینی برو های پیچان من     فدای تو باد این تن و جان من
چو بینندبی     مرسپاه     مرا     همان رسم و آیین و راه مرا (۱۱)

اسی طرح شاہنامہ کے ایک اہم کردار رستم زماں کو اپنی قابلیت اور طاقت کا بھرپور احساس ہے۔
شاہنامہ میں بادشاہوں کی جنگیں، میدان جنگ، لشکر و سپاہ، یلغار، فتح و شکست، اپنے وجود کی بقا کے لیے کی جانے والی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ انفرادی سطح پر ہو یا اجتماعی، یہ معرکے حیات انسانی کے تحفظ کا وسیلہ ہیں۔ شاہنامہ میں یہ معرکے محض ایک حکمران کی دوسرے حکمران سے جنگ نہیں یا ایک سلطنت پر فتح پا لینے کا نام نہیں بلکہ ایک تہذیب، ایک تاریخ کے مٹنے یا بننے کے مترادف ہے۔ تہذیبیں اور تاریخ، انسانی عمل کی وساطت سے جنم لیتی ہیں۔ اگر انسان نہ ہو تو دنیا میں کوئی تاریخ کوئی تہذیب وجود نہیں پا سکتی۔ گویا انسان اپنے وجود کو انفرادی یا اجتماعی سطح پر قائم رکھتا ہے اور اس کے استقلال واستحکام کے لیے کوشش کرتا ہے تو تہذیب و تاریخ بھی صورت پذیر ہوتی ہے۔ شاہنامہ فردوسی میں تاریخ و تہذیب کا بننا بگڑنا بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ بارہا مختلف بادشاہوں کے معرکے اس رزمیہ کی بزم کو سجاتے نظر آتے ہیں:

ابا     لشکر     نوذر     افراسیاب     چو دریای جوشان بدو رود آب
همه شب همی لشکر آرستند     همان تیغ ژوبین بپیرا ستند
زمین کوه تا کوه جوش وراں     برفتند باگرز های گران (۱۲)

شاہنامہ میں صرف بادشاہوں اور پہلوانوں کے معرکے ہی نہیں بلکہ خیر و شر کی جنگ بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ جنگ انسان کی زندگی میں ازل سے جاری ہے۔ یہ لڑائی باطنی بھی ہوتی ہے اور بیرونی یا ظاہری بھی، دونوں صورتوں میں انسان کو مثبت طریقے سے اس کا سامنا کرنا اور فتح یاب بھی ہونا پڑتا ہے:

بآواز     گفتند     انوشه     بدی     همیشه زتو دور دست بدی (۱۳)
جهان چون بزاری برآید همی     بدو نیک روزی سر آید همی
چو بستی کمر بر در راه آز     شود کار گیتیت یکسر دراز (۱۴)

زندگی کے منفی و مثبت پہلوؤں کا تقابل اور دونوں سے زندگی کا عطر کشید کر کے خود کو اسے گزارنے کے قابل بنانا بھی وجود کی اہمیت کا اعتراف ہے۔

فردوسی اس حقیقت کو جانتا ہے کہ اگر انسان اپنی بقا چاہتا ہے تو اسے اندر اور باہر کی دنیا کے تقاضوں کے مطابق مثبت تبدیلی لانا ہوگی اگر اُسے عظمت چاہیے تو پہلے اپنے لہو سے ہاتھ دھونا ہوں گے یعنی ذات کی نفی اسے وہ عروج دے گی جو انسانیت کی معراج ہے۔ ذات کی نفی سے اُس کی مراد خود کو مٹانا نہیں

بلکہ اپنی ذات میں موجود منفی انا کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے وہ عزت سے مرنے کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔وہ جانتا ہے کہ دنیا فریب ہے یہاں اچھے برے حالات کے تحت اپنا وجود قائم رکھنا ہی انسان کی جیت ہے۔

شاہنامہ میں موجود فلسفہ وحکمت کی باتیں پند وموعظت اس بات کی دلیل ہیں کہ فردوسی زندگی اور انسان کے وجود کی اہمیت کو پہچانتا ہے، کہتا ہے:

بیک روی جستن بلندی سزاست اگر درمیان دم اژدھاست
شود برگ پژمردہ و بیخ ست سرش سوی پستی گراید نخست (۱۵)

فردوسی ایک شاعر ہے اور شاعر جذبات واحساسات کے حوالے سے دل کی اہمیت کو تسلیم کرتے اور کراتے ہیں مگر وہ دل کے ساتھ ساتھ عقل کو بھی اہم گرداننا ہے۔وہ جانتا ہے کہ انسان کا وجود اسی عقل کے استعمال سے اپنی بقا کے تحفظ کو یقینی بناتا ہے۔شاہنامہ کے آغاز میں ہی اُس نے عقل وخرد کی اہمیت بتائی ہے:

خرد افسر شہریاراں بود خرد زیور نامداراں بود
خرد زندۂ جاودانی شناس خرد سایہ زندگانی شناس
خرد رھنمای و خرد دلگشای خرد دست گیرد بھردوسرای
توی کردۂ کردگار جہاں شناسی ھمی آشکار ونہاں
ھمیشہ خرد را تو دستور دار بدوجانت از ناسزاوور دار
بگفتار دانندگان راہ جوی بگیتی بپوی و بھرکس بگوی
خرد گرسخن برگزیند ھمی ھماں راگزیند کہ بیند ھمی
توانا بود ہر کہ دانا بود زدانش دل پیر برنا بود (۱۶)

نیولدکے کا کہنا ہے:

''شاہنامے کے اندر داستانوں کے ضمن میں نصیحت آموز مقولے خصوصاً ساسانیوں کے حالات میں بہت سی جگہ گھیرے ہوئے ہیں ان مقولوں کے نظم کرنے میں فردوسی کی خود مختاری اوراپنے مآخذ پر عدم انحصار صاف نظر آتا ہے۔''(۱۷)

یہ نصیحت آموز مقولے جابجا بکھرے ہوئے ہیں اور زندگی کے بارے میں فردوسی کے نقطہ نظر کی وضاحت بھی کرتے ہیں:

برفت و جہان دیگری راسپرد بجز حسرت ازدھر چیزی نبرد (۱۸)

چہ مایہ چنیں رود بگذاشتند ھمہ زندگی مرگ پندا شتند (۱۹)
ز دستور پاکیزہ راھبر درخشاں شود شاہ راگاہ وفر (۲۰)

اُس کے خیالات زیادہ تر دنیاوی جاہ وجلال کی ناپائیداری اور دنیاوی مال ومتاع کی حقیقت سے متعلق ہیں۔شاہنامہ میں بڑے بڑے سورما اور پہلوان اپنی طاقت اور اختیار کے بل پر دنیا پر راج کرتے دکھائی دیتے ہیں البتہ تقدیر کے آگے سرنگوں نظر آتے ہیں جبکہ وجودی نظریے کے تحت تقدیر کی کوئی حیثیت نہیں سب انسان کے اختیار میں ہے۔ وہ چاہے تو اپنی تقدیر بدل سکتا ہے۔ دراصل وجودی نظریے کے تحت ٹھوس چیزوں کے مقابلے میں ماورائی وجود رکھنے والی چیزیں اور تصورات اپنی اہمیت کھو دیتی ہیں کیونکہ وجودیت جو سامنے ہے جو موجود ہے اس میں اپنے مقام کو پہنچانے اور نمایاں کرنے کا نام ہے۔فردوسی کے ہاں ہمیں ٹھوس چیزوں کے ساتھ ساتھ ماورائی چیزیں بھی اپنی اہمیت منواتی دکھائی دیتی ہیں یہی وجہ ہے کہ شاہنامہ میں مافوق العادت اور مافوق العقل واقعات بھی بیان ہوئے ہیں۔کسی سورما کی پہلوانی کے بیان میں فردوسی حد درجہ مبالغہ کرجاتا ہے۔اگر بادشاہوں کی حکومت، شان وشوکت اور حکومتی امور بیان کرتا ہے تو ایسے بیانات بھی سامنے آتے ہیں جن پر عقل راضی نہیں ہوتی۔مثلاً رستم اتنا طاقت ور ہے کہ بلا دقت درخت کو اکھاڑ ڈالتا ہے اور وہ اس کے ہاتھ میں ایک پر کے برابر بھی بھاری نہیں ہوتا۔جمشید کے بارے میں کہتا ہے:

کہ گیتی ے و جاوید نیست فری برتراز فرجمشید نیست
سپہر بلندش بپای آورید جہا نزاجز اوکدخدای آورید (۲۱)

یہی نہیں بعض اوقات فردوسی حسن وخوبصورتی کے بیان میں بھی حد درجہ مبالغہ کر دیتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ کسی بادشاہ کی طاقت یا پہلوان کی بہادری تو ایک طرف کسی جانور کی تعریف بھی کرتا ہے تو مبالغہ حد سے گزر جاتا ہے مثلاً رستم کے گھوڑے کی تعریف میں لکھا ہے:

برستم ھمہ داد دہ دایہ شیر
کجا شدآں شیر پرمایہ سیر (۲۲)

ان مافوق العادت باتوں کا بیان یا خیالی قصوں کی آمیزش شاہنامہ کو دلچسپ تو بناتی ہے لیکن زندگی کے بارے میں فلسفیانہ سوچ رکھنے والے اس شاعر کو حقیقت سے دور لے جاتی ہے۔

وجودیت چونکہ چیزوں کے حقائق اور حقیقی وجود کو اہمیت دینے کا نام ہے اس لیے شاہنامہ کا یہ پہلو اس تصور کے تقاضوں کو تو پورا نہیں کرتا لیکن اس مبالغہ کو دیکھ کر یہ ضرور پتا چلتا ہے کہ شاہنامہ کے کرداروں کو فردوسی اتنا مکمل اور مضبوط بنا کر پیش کرنا چاہتا ہے جتنا وجودی فلسفی ایک انسان کو، کیونکہ یہی مضبوطی اُسے اپنے وجود کو قائم رکھنے کے قابل بناتی ہے۔جہاں تک مافوق العادت باتوں کا تعلق ہے تو بحیثیت انسان ہم

جانتے ہیں کہ ہر انسان کی زندگی میں ایسے کئی موڑ آتے ہیں یا واقعات رونما ہوتے ہیں جن سے زندگی کا رخ یکسر بدل جاتا ہے۔بعض اوقات انسان کے خیالات اور بعض اوقات اس کا عمل اُسے زندگی میں عجیب وغریب انقلابات لے آتا ہے ایسے انقلابات کہ جن کے بارے میں اُس نے عقلی یا منطقی طور پر کبھی سوچا بھی نہیں ہوتا۔گویا کہا جا سکتا ہے کہ ہر وجود انسانی مافوق العادت تبدیلیوں سے دوچار ہوتا ہے اور ان کے اثرات اُس کی زندگی میں منعکس بھی ہوتے ہیں۔

شاہنامہ گیارہویں صدی میں لکھا گیا کہ جب وجود اور انسان کی زندگی کو پرکھنے کا انداز غیر سائنسی تھا۔اس دور میں تاریخ، روایت، لوک کہانیاں، سنے سنائے قصے، مختلف مذاہب اور تہذیبوں کی آمیزش مختلف لوگوں سے تبادلہ خیال اور فلسفہ وادب کے قدیم تصورات فن پاروں میں آسانی سے جگہ بنا لیتے تھے۔ہر قول اور تصور کو سائنسی انداز سے پرکھنے کا رواج نہ تھا اور اگر تھا بھی تو اس کا اطلاق ادب پر نہیں کیا جاتا تھا۔اس لیے شاہنامہ میں بھی انسان کی زندگی کا ایک لازمی حصہ ہوتے ہوئے یہ واقعات اپنی جگہ بنائے ہوئے ہیں۔

یہاں مقصد شاہنامہ کو وجودیت کا علمبردار ثابت کرنا نہیں، صرف یہ کہنا ہے کہ شاہنامہ ایک کلاسیکی فن پارہ ہے لیکن اپنے مستقبل اور ہمارے آج سے الگ نہیں بلکہ پیوست ہے اور اس کا اظہار مختلف صورتوں میں ہوا۔فردوسی نے شاہنامہ میں فرد کے داخلی جذبات واحساسات کا اظہار بڑی خوبصورتی سے کیا ہے۔ قاضی عابد کے الفاظ میں وجودیت کے علمبردار" دل کی گہرائیوں کی خبر لا کر ہمیں وجود کی سچی داخلیت کا پتا دیتے ہیں۔" (۲۳)

شاہنامہ فردوسی میں بھی کئی جگہوں پر فرد کے داخلی جذبات کی عکاسی کی گئی ہے جس سے نہ صرف فرد کے وجود کی حیثیت سامنے آتی ہے بلکہ اس سے جڑے تمام ذہنی وجذباتی عوامل کی اہمیت بھی نمایاں ہوتی ہے۔رستم وسہراب کی داستاں شاہنامہ کی سب سے اہم اور پرتاثیر داستان ہے۔ رستم تو شاہنامہ کے پہلوانوں کا استاد ہے۔داخلیت کا بیان اس داستان میں اپنے عروج پر ہے:

ھمی گفت کای کشتہ بردست من     دلیر وستودہ بہر انجمن<br>
ھمی ریخت خون وھمی کندموی     مرش پرزخاک وپراز آب روی<br>
بدوگفت سہراب کاین بدتریست     بآب دودیدہ بنا یدگریست<br>
ازیں خویش کشتن اکنون چہ سود     چنین رفت واین بودنی کاربود (۲۴)

رستم اپنی طاقت، آگہی اور اختیار کے حوالے سے اس رزمیہ کلام کا سب سے مضبوط کردار ہے۔

ڈاکٹر سید محمد اکرم شاہ کا کہنا ہے:

''اگر چہ بزرگ ترین قھرمان تاریخ ایران رستم شمار آمدہ است ولی حقیقت آن است کہ بزرگ ترین قھرمان تاریخ ایران رستم نیست بلکہ فردوسی است کہ درپردہ ایں داستان ھای حماسی نشستہ است ۔۔۔'' (۲۵)

بلاشبہ فردوسی کا وجود اپنی زندگی اور فن ہر دو حوالوں سے وجودیت کا پرتو ہے ۔شاہنامہ سے فردوسی کے حالات کے بارے میں بھی معلومات ملتی ہیں گویا خود فردوسی نے شاہنامہ میں اپنی ذات کو بھی موضوع بنایا ہے ۔خاص طور پر جہاں سلطان محمود غزنوی اور دوسرے مربیوں کی شان میں اشعار لکھے ہیں وہاں ضمناً اپنی ناداری کا حال بھی بیان کیا ہے ۔بڑھاپے کی تکالیف اور عہد شباب کی آرزوؤں پر رنج کا اظہار کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو نصیحتیں کرتا بھی نظر آتا ہے:

مرا اختر خفتہ بیدار گشت بمغز اندر اندیشہ بسیار گشت
بداستم آمد زمان سخن کنون نوشود روزگار کہن
بر اندیشہ شہر یار زمیں بخفتم شبی لب پر از آفریں
دل من چونور اندران تیر مشب بخفتہ کشادہ دل و بستہ لب (۲۶)

فردوسی نے اپنی زندگی میں اتنے دشوار حالات کا سامنا کیا کہ کوئی عام انسان ہوتا تو آسانی سے قنوطیت کا شکار ہو کر زندگی سے فرار کا خواہاں ہوتا مگر فردوسی نے اپنی زندگی کے المیاتی پس منظر ہی سے زندگی کے لطیف پہلوؤں کو اُبھارا ۔محمد امین ریاحی لکھتے ہیں:

''فردوسی نے ایران کے عظیم افسانوی کرداروں کے نام اور ان کی یاد کو زندہ جاوید کر دیا ہے مگر ان سب کے درمیان عظیم ترین شخصیت وہ خود ہے ۔'' (۲۷)

اس میں ایک بڑے انسان اور وجودیت کے حوالے سے ''فوق البشر'' کی ''ارادہ قوت'' موجود ہے ۔نطشے کا فوق البشر قاضی عابد کے الفاظ میں:

''المیہ کو نہ صرف قبول کرتا ہے بلکہ اس سے ہم آغوش رہتا ہے تاوقتیکہ وہ طربیہ میں تبدیل نہ ہو جائے ۔'' (۲۸)

فردوسی بھی زندگی کے خوبصورت اور لطیف پہلوؤں کو نمایاں کرتا ہے ۔اُس کے ہاں فطرت سے لگاؤ اور فطرتی حسن کی جو تصویر کشی ملتی ہے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس مرد'' کوہ وصحرا'' نے زندگی سے فرار کی بجائے زندگی کے حسن کو محسوس کیا اور اپنے المیہ کو رزم و طرب میں تبدیل کیا ہے ۔ڈاکٹر سید عبداللہ کا کہنا ہے:

''یہ محض بے بنیاد حالات و واقعات کا مجموعہ نہیں بلکہ اپنی تہذیب و تمدن کا ایک جامع انسائیکلوپیڈیا ہے ۔'' (۲۹)

سیاہ شب تیرہ بدشت و راغ — یکی فرش افگندہ چوں پر زاغ
چو پولاد زنگار خوردہ سپہر — تو گفتی بقیر اندر اندود چہر
نمودم زھرسو بچشم اھرمن — چومار سیاہ بازکردہ دھن
فروماندہ گردون گردان بجای — شدہ مست خورشید رادست وپای
زمیں زیر آں چادر قیرگوں — تو گفتی شدستی بخواب اندروں
خروشیدن و خواستم زو چراغ — در آید بت مہر بانم بباغ (۳۰)

فردوسی کے شاہنامہ میں فطرت کا حسن ہے تو موسیقی کا سحر بھی اور شراب وشباب کے افسانے بھی:

ھمہ بیشہ و باغ و آب رواں — یکی جا یگاہ از در پہلواں
زمیں پر نیان و ہوا مشکبوی — گلا بست گوی مگر آب جوی
خم آوردہ از بار شاخ سمن — صنم شد گل وگشت بلبل شمن
خراماں بگرد گلاں بدترو — خروشیدن بلبل از شاخ سرو
ازیں پس کنوں تانہ بس روزگار — شودچون بہشت آن لب جویبار
پر یچہرہ بینی ہمہ دشت و کوہ — بہر سو بشادی نشستہ گروہ (۳۱)

چنانچہ عورت کا وجود شاہنامہ میں اپنے فطری حسن کے خوبصورت حوالوں کے ساتھ تو آیا ہی ہے اس کے ساتھ ساتھ عورت کا وجود ایک انفرادی رنگ کا حامل ہے۔اس کا وجود منفعل نہیں بلکہ بہت جاندار ہے۔اس کے کردار کی مضبوطی، جذباتی اتار چڑھاؤ اور کیفیات قلبی شاہنامہ میں اپنا وجود منوانے کے لیے کافی ہیں، وہ دنیا میں فتح وشکست، طاقت وکمزوری اور اختیار و بے اختیار کے ساتھ ساتھ فریب اور مکاری کا سبب اور علامت بن کر اس شاہنامہ میں اُبھری ہے:

شبستاں ہمہ پیش سوداب باز — دویدند و بردند یکیک نماز
دگر بارہ با شہریار جہاں — ھمی جادوی ساخت اندر نہاں
بجائی کہ کاری چنیں اوفتاد — خرد باید و دانش و دین و داد (۳۲)
زن و اژدھا ہر دوو خاک بہ — جہاں پاک زین ھردو ناپاک بہ (۳۳)

ولسن وجودیت کا علمبردار ہے۔ وہ وجودیت کو عین رومانیت قرار دیتا ہے۔اس کا کہنا ہے کہ کرکیگارڈ اور نطشے رومان پسند تھے اور وجودی بھی۔اس حوالے سے قاضی عابد لکھتے ہیں کہ جدید وجودیوں کے ہاں وجودیت رومانیت کا عقلی چربہ بن کر رہ گئی ہے۔اس حوالے سے تو وجودیت کو رومانیت کی محض ایک ترقی یافتہ شکل کہا جا سکتا ہے۔(۳۴)

وجودیت میں اپنے وجود کے دائرہ کے ادراک کے بعد اس دائرے کے باہر کی زندگی کا احساس اور اس زندگی کے ایک فعال رکن بننے کی جس سعی کا اشارہ ملتا ہے۔اس میں اپنے وجود کے داخلی پہلوؤں کا ربط بیرونی واقعات وحادثات اور مظاہر سے بھی جڑ جاتا ہے اور جس طرح ایک وجودی المیہ کیفیت سے نکل کر خود کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ اس المیہ کو طربیہ میں ڈھال سکے تو رومان پسندوں کی خیالی اور مثالی دنیا اور داخلی کیفیات واحساسات کا اظہار یاد آجاتا ہے۔لیکن جہاں تک وجود کی ترقی وتہذیب کا تعلق ہے تو یہ تعلق کسی ماورائی دنیا سے نہیں جڑتا بلکہ حقیقی اور ٹھوس دنیا کا ہی حصہ رہتا ہے۔بہرحال وجودیت اور رومان پسندی میں جو مشترک احساسات ملتے ہیں وہ شاہنامہ فردوسی میں بھی جھلک دکھاتے ہیں گزشتہ اوراق میں دی گئی مثالیں اس کا بین ثبوت ہیں۔

مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاہنامہ فردوسی ایک کلاسیکی شاہکار ہوتے ہوئے جدید دور کے ادبی تصورات ورجحانات کے نقوش بھی سموئے ہوئے ہے۔ایک طویل مدت کا فاصلہ ادبیت کے زمانی وامکانی تقاضوں کے مابین حد فاصل نہیں لگا پایا۔لاشعوری طور پر ہی سہی لیکن شاہنامہ کو آج بھی پڑھتے ہوئے یوں لگتا ہے جیسے فردوسی موجودہ دور کے جدید تصورات سے واقف ہے اور اپنے کمال فن سے اُن پر پورا اتر رہا ہے۔یہی اس تخلیق کی آفاقی حیثیت کی دلیل ہے۔

☆☆☆☆☆

## حوالے


(۱) مرزا مقبول بیگ بدخشانی۔ادب نامہ ایران۔لاہور: نگارشات۔سن ندارد،ص ۱۶۱

(۲) مولانا محمد حسین آزاد۔سخندان فارس۔لاہور: مجلس ترقی ادب۔۱۹۹۰ء،ص ۴۰۴

(3) Hourich Yekataleb, Translation of Shahnamah of Firdousi in West, Published in Khazas Journal of Humanities and Social Science, www.academia.edu

(۴) ایضاً

(۵) دکتر ذبیح اللہ صفا۔گنج سخن۔(از رودکی تا انوری)۔تہران: ۱۳۰۳ء،ص ۸۲

(۶) ڈاکٹر سعادت سعید۔ادب او رنفی ادب۔لاہور: دستاویز مطبوعات۔۱۹۹۸ء،ص ۱۰۵

(۷) بحوالہ ڈاکٹر شاہین مفتی۔جدید اردو نظم میں وجودیت۔لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز۔۲۰۰۱ء،ص ۱۹

(۸) ایضاً

(۹) ڈاکٹر جمیل جالبی۔تنقید او رتجربہ۔لاہور: یونیورسل بکس۔۱۹۸۸ء،ص ۳۱۵

(۱۰) ابوالقاسم فردوسی۔ شاہنامہ۔بکوشش، دبیر سیاقی۔جلد دوم۔تہران: ۱۳۳۵ء،ص ۵۴۸

(۱۱) ایضاً۔جلد چہارم،،ص ۱۸۳۰

(۱۲) ایضاً۔جلد نخست،ص ۲۳۰۔۲۳۱

(۱۳) ایضاً۔جلد چہارم،ص ۱۸۳۱

(۱۴) ایضاً۔جلد سوم،ص ۹۹۳

(۱۵) ایضاً،ص ۹۹۳

(۱۶) ایضاً۔جلد نخست،ص ۲۷۱

(۱۷) نولدے۔تاریخ رزمیات ایران ،مترجم: ڈاکٹر شیخ محمد اقبال۔مرتب: محمد اکرام چغتائی۔لاہور: ڈی ٹروتھ سوسائٹی۔۲۰۰۹ء،ص ۱۴۹

(۱۸) ابوالقاسم فردوسی۔ شاہنامہ۔جلد نخست،ص ۵۷

(۱۹) ایضاً۔جلد نخست،ص ۸۵

(۲۰) ایضاً۔جلد دوم،ص ۹۴۸

(۲۱) ایضاً۔جلد دوم،ص ۶۲۱

(۲۲) ایضاً۔جلد نخست،ص ۲۰۱

(۲۳) قاضی عابد۔وجودیت۔لاہور: فکشن ہاؤس۔۲۰۰۵ء،ص ۱۸

(۲۴) ابوالقاسم فردوسی۔ شاہنامہ۔جلد نخست،ص ۴۴۷

(۲۵) ڈاکٹر سید محمد اکرم شاہ۔ عجم زندہ کردم بدیں فارسی۔مشمولہ: فردوسی نامہ۔سر وردہ دکتر محمد حسین تسبیحی۔اسلام آباد: پاکستان۔۱۹۹۲ء،ص ۱۹

(۲۶) ابوالقاسم فردوسی۔ شاہنامہ۔جلد نخست،ص ۱۰

(۲۷) محمد امین ریاحی۔ سرچشمہ ھای فردوسی شناسی۔مترجم: خدیجہ اقبال۔تحقیقی مقالہ برائے ایم۔ ایس مملوکہ لاہور: دانشگاہ پنجاب۔۲۰۰۹۔۲۰۱۱ء،ص ۴۴

(۲۸) قاضی عابد۔وجودیت،ص ۴۴

(۲۹) ڈاکٹر سید عبداللہ۔فارسی زبان و ادب۔لاہور: مجلس ترقی ادب۔۱۹۸۸ء،ص ۴۰

(۳۰) ابوالقاسم فردوسی۔ شاہنامہ۔جلد دوم،ص ۹۲۷۔۹۲۸

(۳۱) ایضاً۔جلد دوم۔ص ۹۳۵۔۹۳۶

(۳۲) ایضاً۔جلد دوم۔ص ۴۹۱

(۳۳) ایضاً۔جلد دوم۔ص ۴۸۷

(۳۴) بحوالہ قاضی عابد۔وجودیت،ص ۱۱۰

❁ ❁ ❁